Open Access
Al-Marjān Research Journal
ISSN(E): 3006-0370
ISSN(P): 3006-0362
al-marjan.com.pk

The Palestinian Issue and the Political Challenges Faced by the Muslim World: An Analytical Study in the Light of the Prophetic Seerah (ﷺ)

مسئلہ فلسطین اور عالمِ اسلام کو درپیش سیاسی چیلنجز: سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں تحلیلی مطالعہ

Authors Details

1. **Shehla Shams** *(Corresponding Author)*
   Ph.D. Research Scholar, Alhamd Islamic University, Islamabad, Pakistan.
   Email: **shehlashamms@gmail.com**
2. **Dr. Shams-ul-Hussain**
   Associate Professor, Department of Arabic and Islamic Studies, Women University, Swabi, Khyber Pakhtunkhwa, Pakistan.
3. **Dr. Bibi Alia**
   Lecturer, Department of Arabic and Islamic Studies, Women University, Swabi, Khyber Pakhtunkhwa, Pakistan.

Citation
Shams, Shehla, Dr. Shams-ul-Hussain, and Dr. Bibi Alia. " The Palestinian Issue and the Political Challenges Faced by the Muslim World: An Analytical Study in the Light of the Prophetic Seerah (ﷺ)."*Al-Marjān Research Journal* 3,no.2, April–June (2025): 414−427.

Submission Timeline
Received: Mar 02, 2025
Revised: Mar 15, 2025
Accepted: April 06, 2025
Published Online: April 25, 2025

Publication, Copyright & Licensing

Article QR

Al-Marjān Research Center, Lahore, Pakistan.
All Rights Reserved © 2023.
This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License

The Palestinian Issue and the Political Challenges Faced by the Muslim World: An Analytical Study in the Light of the Prophetic Seerah (ﷺ)

مسئلہ فلسطین اور عالمِ اسلام کو درپیش سیاسی چیلنجز: سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں تحلیلی مطالعہ

☆شہلا شمس ☆ڈاکٹر شمس الحسین ☆ڈاکٹر بی بی عالیہ

Abstract

The Palestinian issue transcends the scope of a territorial conflict; it represents a deep-rooted historical and spiritual crisis for the Muslim world. Al-Quds (Jerusalem), a sacred site revered by Muslims as the first qibla and the land of many Prophets (peace be upon them), is now a symbol of oppression and violence under the Zionist occupation. The systematic displacement of indigenous Palestinians, the desecration of Islamic sanctities, and the silence of international organizations reflect the ongoing injustice. Despite widespread sympathy, the Muslim world remains fragmented due to internal disunity, leadership crises, and geopolitical pressures. This paper seeks to analyze these political challenges through the lens of the Prophetic Seerah) biography of Prophet Muhammad ,(ﷺ focusing on the timeless principles of unity, resistance, wisdom, and strategic leadership exemplified by the Prophet ﷺ in the face of adversity. Whether it was the persecution in Makkah, the trials in Madinah, or external threats, the Prophet ﷺ maintained a firm vision and built a resilient community. By drawing parallels between the Seerah and the current Palestinian crisis, this study highlights how prophetic strategies can inspire modern solutions. The findings emphasize the need for Muslim unity, principled leadership, intellectual resistance, and effective use of political and economic tools against oppression. The Seerah provides a guiding framework to approach the Palestinian issue not only as a political concern but as a moral and religious obligation.

Keywords: Palestine, Political Crisis, Oppression, Seerah of the Prophet ﷺ, Muslim Unity, Leadership

تعارف موضوع

فلسطین کا مسئلہ عالمِ اسلام کے لیے صرف ایک زمینی یا سیاسی تنازعہ نہیں بلکہ ایک ایسا گہرا بحران ہے جو امتِ مسلمہ کے دینی، روحانی، اور تاریخی شعور سے براہ راست وابستہ ہے۔ بیت المقدس، جو مسلمانوں کا پہلا قبلہ اور انبیاء علیہم السلام کی سرزمین ہے، آج صیہونی طاقتوں کے قبضے میں ظلم و بربریت کی علامت بن چکی ہے۔ معصوم فلسطینیوں کی جبری بے دخلی، مقدساتِ اسلامیہ کی پامالی، اور اقوامِ متحدہ و عالمی طاقتوں کی مجرمانہ خاموشی

☆ پی ایچ۔ڈی ریسرچ اسکالر، الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان۔
☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، ویمن یونیورسٹی، صوابی، خیبر پختونخوا، پاکستان۔
☆ لیکچرار، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، ویمن یونیورسٹی، صوابی، خیبر پختونخوا، پاکستان۔

نے عالمِ اسلام کو شدید اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے۔ ان چیلنجز کی نوعیت صرف بیرونی نہیں بلکہ اندرونی بھی ہے، جیسے کہ امت میں قیادت کا فقدان، باہمی انتشار، اور علاقائی مفادات پر مبنی پالیسیاں۔ ان حالات میں سیرتِ طیبہ ﷺ کا مطالعہ ہمیں وہ رہنما اصول مہیا کرتا ہے جو ظلم کے خلاف مزاحمت، حکمت پر مبنی سیاسی جدوجہد، اتحادِ امت، اور دور اندیش قیادت پر مبنی ہیں۔ اس تحقیق میں یہی تجزیہ کیا گیا ہے کہ موجودہ فلسطینی بحران کے حل میں سیرتِ نبوی ﷺ سے کیا رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

مبحث اول: فلسطین کا تاریخی و دینی پس منظر

فلسطین ایک ایسی سرزمین ہے جو تاریخ، تہذیب، اور روحانی اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کی حامل رہی ہے۔ یہ علاقہ تین بڑے آسمانی مذاہب اسلام، عیسائیت، اور یہودیت کا مشترکہ مرکز رہا ہے۔ اس کی اہمیت محض جغرافیائی یا سیاسی نہیں، بلکہ روحانی اور دینی بنیادوں پر بھی بہت گہری ہے۔ اسلام میں جن مقامات کو مقدس، متبرک اور زیارت گاہ قرار دیا گیا ہے ان میں ایک اہم مقام سرزمین فلسطین ہے۔ یہ نبیوں اور رسولوں کی سرزمین ہے، اور خاصانِ رب کا مرکز و مسکن ہیں، قرآن کریم میں ایسے پچیس نبیوں کا ذکر آیا ہے جن میں سے زیادہ تر کا تعلق اسی علاقے سے ہے، فلسطین ایک ایسا خطہ ہے جس کی تاریخ انسانی تمدن، الہامی مذاہب اور انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات سے جُڑی ہوئی ہے۔ یہ خطہ صرف جغرافیائی اہمیت کا حامل نہیں بلکہ دینی، روحانی اور تہذیبی ورثے کا عظیم مرکز بھی ہے۔ یہاں سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا اسحاق علیہ السلام، سیدنا یعقوب علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام، سیدنا داؤد علیہ السلام، سیدنا سلیمان علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم انبیاء کی موجودگی اس کی تقدس کو واضح کرتی ہے۔ اس کی اسی عظمت اور اہمیت کے پیش نظر قرآن حکیم میں اس کی قسم کھائی گئی ہے:

وَٱلتِّينِ وَٱلزَّيۡتُونِ ، وَطُورِ سِينِينَ ، وَهَٰذَا ٱلۡبَلَدِ ٱلۡأَمِينِ ۔[1]

قسم ہے انجیر، زیتون، طور سینا اور اس امن والے شہر کی۔

انجیر اور زیتون بول کر ملک شام اور فلسطین مراد لیا گیا ہے کہ ان جگہوں میں یہ دونوں پھل کثرت سے ہوتے ہیں جیسا کہ رئیس المفسرین سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے ہے۔[2]

دوسری جگہ اسے مقدس شہر کا خطاب دیا گیا ہے:

يَٰقَوۡمِ ٱدۡخُلُواْ ٱلۡأَرۡضَ ٱلۡمُقَدَّسَةَ ٱلَّتِي كَتَبَ ٱللَّهُ لَكُمۡ[3]

اے قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: کہ "مقدس سرزمین سے مراد فلسطین ہے۔

1. فلسطین کا جغرافیائی محل وقوع

فلسطین مشرقِ وسطیٰ میں واقع ہے، جو ایشیا، افریقہ اور یورپ کے سنگم پر موجود ہے۔ یہ مقام تاریخی تجارتی راستوں، عسکری اہمیت اور مذہبی مرکزیت کی وجہ سے ہمیشہ بین الاقوامی طاقتوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ ملک شام کے جنوب مغربی علاقے کو فلسطین کہتے ہیں۔ فلسطین براعظم ایشیاء کے مغرب میں بحر ابیض متوسط یعنی بحر روم کے ساحل پر واقع ہے۔ فلسطین ایک طرف براعظم افریقہ اور ایشاء کے درمیان پل کا کام کرتا ہے تو دوسری طرف براعظم یورپ کے انتہائی قریب واقع ہے۔ فلسطین کے شمال میں لبنان، مشرق میں اُردن اور جنوب مغرب میں مصر واقع ہے۔ فلسطین کا موجودہ رقبہ 27 ہزار مربع کلو میٹر ہے۔ آب ہوا کے لحاظ سے یہ خطہ معتدل سمجھا جاتا ہے۔[4]

---

[1] At-Tīn, 95:1–3.

[2] Al-Shawkānī, Muḥammad ibn ʻAlī ibn Muḥammad ibn ʻAbd Allāh, *Fatḥ al-Qadīr* (Damascus, Beirut: Dār Ibn Kathīr, Dār al-Kalim al-Ṭayyib, 1414 AH), 5: 566.

[3] Al-Mā'ida, 5:21.

[4] Muḥsin, Muḥammad Ṣāliḥ, trans. Muḥammad Zakariyā Khān, *Filasṭīn kī Bābat Chālīs Ahm Tārīkhī Ḥaqā'iq* (n.p.: n.p., n.d.), 5.

2. تاریخ فلسطین قبل از اسلام

انبیائے کرام کی سرزمین

فلسطین کو "ارض الانبیاء" کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں بہت سے انبیاء کی بعثت ہوئی یا قیام رہا: سیدنا ابراہیم، سیدنا اسحاق، سیدنا یعقوب، سیدنا موسیٰ، سیدنا داؤد، سیدنا سلیمان اور سیدنا عیسیٰ علیہم السلام جیسے جلیل القدر انبیاء اسی سرزمین سے وابستہ رہے ہیں۔

i. ارضِ مقدسہ اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا وطن عراق کا مقام "اُر" تھا لیکن جب وہاں دعوت حق کی تمام راہیں بند ہو گئیں، باپ نے نکل بھاگ جانے ورنہ سنگسار کرنے کی دھمکی دی، قبیلہ اور خاندان دشمنی پر کمربستہ ہو گیا، حکومت وقت نے جلا کر مار ڈالنے کی ناتمام کوشش کی، تو آپ نے بحکم الٰہی سرزمین فلسطین کی طرف ہجرت کی، جس کا قدیم نام کنعان تھا[5]۔

اور بائبل کتاب پیدائش میں ہے: سو ابراہیم خداوند کے کہنے کے مطابق روانہ ہوا اور لوط بھی، تو وہ ملک کنعان آئے، اس وقت ملک میں کنعانی تھے۔ جس وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام فلسطین تشریف لائے، اس وقت وہاں متعدد قومیں آباد تھیں جیسے کنعانی، فرزی، فلستی، یبوسی وغیرہ یہ سب عرب قومیت کی حامل تھیں اور 3000ق،م کے مابین آباد تھیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے سیدنا اسماعیل اور سیدنا اسحاق علیہما السلام جزیرۃ العرب میں آباد ہوئے اور سیدنا ابراہیم نے انہیں لے کر خانہ کعبہ کی تعمیر فرمائی، دوسرے فرزند سیدنا اسحاق اور بھتیجے سیدنا لوط علیہما السلام نے فلسطین کو اپنا وطن بنایا اور یہیں پر مسجد اقصیٰ تعمیر کی گئی۔ سیدنا اسحاق علیہ السلام کے فرزند سیدنا یعقوب علیہ السلام اپنے پورے خاندان کے ساتھ مصر منتقل ہو گئے۔[6]

ii. ارضِ مقدسہ اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام

تقریباً پانچ سو سال بعد بنی اسرائیل سیدنا موسیٰ وہارون علیہما السلام کی قیادت میں فلسطین کے لئے روانہ ہوئے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ[7]

اے میری قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے واسطے لکھ دی ہے، اور اپنی پشت کے بل پیچھے نہ لوٹو، ورنہ پلٹ کر نامراد جاؤ گے۔

لیکن فرعون کی غلامی کے اثرات اس قوم میں اس قدر رچ بس گئے تھے، کہ انہوں نے سیدنات موسیٰ علیہ السلام کے اس دردمندانہ خطاب کا بڑا بزدلانہ جواب دیا:

قالوا يا موسى ان فيها قوما جبارين و انا لن ندخلها حتى يخرجوا منها[8]

کہنے لگے موسیٰ! وہاں تو بڑے زبردست آدمی ہیں، جب تک وہ وہاں سے نہ نکل جائیں ہم وہاں ہرگز قدم نہ رکھیں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۔[9]

وہ کہنے لگے: اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ اس (ملک) میں موجود ہیں، ہم ہرگز ہرگز اس میں قدم نہیں رکھیں گے (اگر ان سے لڑنا ہے تو) تو بس تم اور تمہارا رب چلے جاؤ، اور ان سے لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔

---

[5] *Kitāb-e Muqaddas (Purānā aur Nayā ʻAhd Nāma)* (Lahore: Pakistan Bible Society, Anarkali, 2008), Kitāb: Paydā’ish, Bāb: 11, Āyat: 27–32, 18–19.

[6] *Kitāb-e Muqaddas (Purānā aur Nayā ʻAhd Nāma)*, Kitāb: Paydā’ish, Bāb: 12, Āyat: 1–9, 19.

[7] Al-Mā’ida, 5:21.

[8] Al-Mā’ida, 5:22.

[9] Al-Mā’ida, 5:24.

iii. ارضِ مقدسہ اور سیدنا داؤد و سلیمان علیہما السلام

بنی اسرائیل کی درخواست پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیا جس کی سرکردگی میں مشرکوں کے خلاف جنگ لڑی گئی اور مومنوں کو کامیابی نصیب ہوئی قرآن کریم میں تفصیل سے یہ واقعہ مذکور ہے۔ یہ واقعہ 1020 ق م کا ہے اس کے بعد سیدنا داؤد اور سیدنا سلیمان علیہما السلام نے ایک بے مثال سلطنت قائم کی اور پورے فلسطین میں کہیں بھی مشرکوں کی حکومت باقی نہ رہی، صرف شمالی اور جنوبی فلسطین پر دو مشرک ریاستیں بچ گئی تھیں جو اسلامی حکومت کو ٹیکس ادا کرتی تھیں۔ انہیں کے دور میں مسجد اقصیٰ کی توسیع ہوئی اور ایک عظیم الشان عبادت خانہ بنایا گیا۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے بعد یہودی پھر آپسی اختلاف کا شکار ہو گئے اور شمالی و جنوبی فلسطین میں دو الگ الگ حکومتیں سامریہ اور یہودیہ قائم ہو گئیں۔[10]

3. فلسطین بعد از نزولِ اسلام:

i. قبلہ المسلمین (مسجد اقصیٰ)

ابتدائی دورِ اسلام میں مسلمان بیت اللہ جب کہ ہجرت کے بعد سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، جو اس مقام کی مرکزیت پر دلیل ہے۔ پیغمبروں کا سرزمین، مسلمانوں کا قبلہ اول، سرور کائنات ﷺ سفر معراج کی پہلی منزل، مسجد اقصیٰ، بیت المقدس میں واقع ہے:

> **سبحان الذى أسرى بعبده ليلاً من المسجد الحرام إلى المسجد الأقصى**[11]
>
> یہی مسجد اقصیٰ واقعہ معراج کا پہلا مرحلہ تھی، جہاں رسول اللہ ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی۔[12]

ii. فضائل مسجد اقصیٰ

سورۃ الاسراء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

> **سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ**[13]
>
> اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے محمد ﷺ کو معراج کی رات مسجد حرام (مکہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے جایا۔ ہم نے اس کے اردگرد کو بابرکت بنایا۔

جس سے اس کی روحانی، زرعی، تاریخی اور دینی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں کئی مقامات پر اس زمین (فلسطین / شام) کو "الارض المبارکہ" یعنی "بابرکت زمین" کہا گیا ہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَنَجَّيْنَٰهُ وَلُوطًا إِلَى ٱلْأَرْضِ ٱلَّتِي بَٰرَكْنَا فِيهَا لِلْعَٰلَمِينَ**[14] اس کا مرکز مسجد اقصیٰ ہے۔ اسی طرح اسی حوالے سے، **رسول اللہ** ﷺ نے فرمایا:

> **لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِي هَذَا، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى**[15]
>
> صرف تین مساجد ایسی ہیں جن کی زیارت کے لیے سفر کرنا باعثِ ثواب ہے: مسجد الحرام (مکہ)، مسجد نبوی (مدینہ)، مسجد اقصیٰ (بیت المقدس)۔

---

[10] *Kitāb-e Muqaddas (Purānā aur Nayā ‘Ahd Nāma)*, Kitāb: Samū’īl, Bāb: 24–29.

[11] Al-Isrā’, 17:1.

[12] Al-Bukhārī, Abū ‘Abd Allāh Muḥammad ibn Ismā‘īl, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī* (Egypt: Al-Sulṭāniyya, Maṭba‘a al-Kubrā al-Amīriyya, 1311 AH), 5: 52, ḥadīth 3886; Ibn Kathīr, Abū al-Fidā’ Ismā‘īl ibn ‘Umar, *Tafsīr Ibn Kathīr*, ed. Sāmī ibn Muḥammad al-Salāma (Riyadh: Dār Ṭayba lil-Nashr wa al-Tawzī‘, 1420 AH), 5: 5.

[13] Al-Isrā’, 17:1.

[14] Al-Anbiyā’, 21:71.

[15] Al-Bukhārī, Abū ‘Abd Allāh Muḥammad ibn Ismā‘īl, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Kitāb al-Faḍā’il (n.p.: n.p., n.d.), 2: 60, ḥadīth 1189.

مبحث دوم: اسلامی فتوحات

بیت المقدس کی ساری زندگی میں جس فاتح کے شہر میں داخل ہونے پر مفتوح باشندوں نے اس کے ورودِ مسعود کا جشن منایا۔ وہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ [16] تھے۔ انہوں نے بہت تھوڑا ساوقت ان کے پاس گزارا لیکن لوگوں نے جان لیا کہ جن شرائط پر صلح ہوئی ہے وہ اپنے عمل میں ان سے کہیں زیادہ فیاضی اور انسان دوستی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور اس قدر محتاط ہے کہ اگر نادانستہ ان سے کوئی غلطی ہو بھی جائے تو اس کو فوراً ازالہ کر دیتے ہیں۔

1. سیدنا عمرؓ کا فتح بیت المقدس

جنگ یرموک کے بعد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فلسطین یعنی بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوئے۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ،سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم سے پہنچتے ہوئے بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ عیسائی قلعہ بند ہو کر لڑ رہے تھے، کچھ دنوں بعد سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی شام کی مہمات سے فارغ ہو کر آ پہنچے۔ حالات کی نزاکت کو دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنا کر خود فلسطین کی طرف نکل کر مقام جابیہ کی طرف پہنچ گئے۔ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یہاں پہنچنے کا حکم ملا چکا تھا۔

اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بہت کشمکش کے صلح کے معاہدہ لکھ کر خود اس پر مہر لگائیں اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیدنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے دستخط کئے۔ جب بیت المقدس والوں کو اس صلح نامہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے حیران ہو کر خوشی سے جشن منایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وہاں داخل ہوتے ہوئے پادریوں اور عوام کے ساتھ انتہائی شفقت کا سلوک کیا۔[17] 638 عیسوی میں سیدنا عمر بن خطابؓ نے بیت المقدس فتح کیا۔[18]

2. صلاح الدین ایوبی کی فتح (1187ء)

گیارھویں صدی عیسوی کے اواخر میں جب عباسی خلافت کا شیرازہ بکھر رہا تھا اور سلجوق ترکمان باہم الجھے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی مرکزیت انتشار کا شکار تھی۔ 1099ء میں صلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا اور لاکھوں مسلمانوں کو شہید کیا۔ یہ واقعہ مسلم دنیا کے لیے شدید صدمے کا باعث بنا اور بیت المقدس 88 سال تک صلیبیوں کے قبضے میں رہا۔ صلاح الدین ایوبی نے رواداری کا مظاہرہ کیا، کسی کو نقصان نہیں پہنچایا۔

3. صلاح الدین ایوبی کی قیادت

صلاح الدین ایوبی ایک عظیم مسلمان سپہ سالار اور عادل حکمران تھے۔ اُنہوں نے اسلامی اتحاد قائم کیا اور شام، مصر اور دیگر علاقوں کو متحد کر کے صلیبیوں کے خلاف عظیم جہاد شروع کیا۔ صلیبیوں کے ساتھ کئی معرکے ہوئے، جن میں سب سے اہم جنگ حطین (1187ء) تھی۔ اس جنگ میں صلاح الدین ایوبی نے صلیبی افواج کو فیصلہ کن شکست دی اور کئی اہم علاقوں کو آزاد کرایا۔ فتح بیت المقدس (2 اکتوبر 1187ء) کو ہوئی۔ جنگ حطین کے بعد صلاح الدین نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ شہر کے عیسائی حکمرانوں نے کچھ دنوں کی مزاحمت کے بعد شہر حوالے کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ صلاح الدین نے ان کے ساتھ عدل، رحم اور امن کا سلوک کیا۔ کوئی قتل عام نہیں کیا گیا، جبکہ صلیبیوں نے 88 سال پہلے ہزاروں

---

[16] عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزّیٰ بن ریاح۔ والدہ کا نام ختمہ تھا۔ آپ کا لقب فاروق، کنیت ابو حفص، لقب و کنیت دونوں محمد ﷺ کے عطا کردہ ہیں۔ دوسرے خلیفہ راشد، محمد مصطفی ﷺ کے سسر اور تاریخ اسلام کے اہم ترین شخصیات میں سے ایک ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ ایک باعظمت، انصاف پسند اور عادل حکمران کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ ان کی عدالت میں مسلم و غیر مسلم دونوں کو یکساں انصاف ملا کرتا تھا۔ ان کی دورِ خلافت میں عراق، مصر، لیبیا، سرزمین شام، ایران، خراسان، مشرقی اناطولیہ، جنوبی آرمینیا اور سجستان فتح ہو کر مملکت اسلامی میں شامل ہوئے اور اس کا رقبہ بائیس لاکھ اکاون ہزار اور تیس (۲۲,۵۱,۰۳۰) مربع میل پر پھیل گیا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہی کے دور خلافت میں پہلی مرتبہ یروشلم فتح ہوا، ۲۳ھ کو شہید کیے گئے۔
'Umar ibn Khaṭṭāb ibn Nufayl ibn 'Abd al-'Uzzā, *Ma'rifat al-Ṣaḥāba*, ed. 'Ādil ibn Yūsuf al-'Azāzī (Riyadh: Dār al-Waṭan lil-Nashr, 1419 AH), 1: 38.

[17] Layāqat, Mumtāz, *Tārīkh Bayt al-Maqdis* (Lahore: Sang-e-Meel Publications, Urdu Bazaar, n.d.), 44–54.

[18] Al-Ṭabarī, Abū Ja'far Muḥammad ibn Jarīr, *Tārīkh al-Ṭabarī*, ed. Muḥammad Abū al-Faḍl Ibrāhīm (Egypt: Dār al-Ma'ārif, 1387 AH), 3: 607–609.

مسلمانوں کو قتل کیا تھا۔ عیسائی قیدیوں کو فدیہ دے کر رہا کیا گیا۔ یروشلم کے چرچ محفوظ رہے، کسی کو عبادت سے نہ روکا گیا۔ بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کو دوبارہ آباد کیا گیا، اور وہاں اذان و نماز بحال کی گئی۔[19]

مبحث سوم: ملکِ فلسطین کا قیام جدید

ملکِ فلسطین کا قیام 20ویں صدی کے اوائل میں ہوا۔ فلسطین کا علاقہ مختلف سلطنتوں کے زیرِ اقتدار رہا، جن میں رومن، عثمانی اور برطانوی سلطنت شامل تھیں۔ تاہم جدید فلسطین کا قیام بنیادی طور پر پہلی جنگ عظیم کے بعد شروع ہوتا ہے، جب برطانوی سلطنت نے فلسطین پر قابض ہو کر اس علاقے کو اپنا اختیار دے لیا۔ 1948 کے بعد فلسطین میں کسی بادشاہت کا قیام نہیں ہو سکا، اگرچہ مختلف فلسطینی قیادتیں ابھر کر سامنے آئیں[20]:

1. یاسر عرفات

یاسر عرفات فلسطینی تحریک کا سب سے اہم رہنما بنے اور انہوں نے 1964 میں فلسطینی تنظیم "پی ایل او (PLO) " کی قیادت سنبھالی۔ ان کا مقصد فلسطینی ریاست کا قیام اور اسرائیل کے ساتھ متنازعہ مسائل کا حل تھا۔ 1993 میں اوسلو معاہدے کے ذریعے یاسر عرفات اور ان کی تنظیم نے فلسطین میں محدود خود مختاری کی کامیاب جدوجہد کی اور 1994 میں فلسطینی اتھارٹی کے قیام کا اعلان کیا گیا۔[21]

2. حماس

2006 میں فلسطین کے مقبوضہ علاقے غزہ میں ہونے والے پارلیمانی انتخابات میں حماس نے فتح حاصل کی اور غزہ کی پٹی پر کنٹرول سنبھال لیا۔ اس کے نتیجے میں فلسطینی اتھارٹی اور حماس غزہ میں تقسیم ہوگئی، جس سے فلسطینی سیاست میں شدید اختلافات پیدا ہوئے۔ حماس فلسطین میں ایک اسلام پسند سیاسی جماعت ہے جس کا مقصد ایک اسلامی ریاست کا قیام ہے۔ حماس نے غزہ میں اپنی حکومت قائم کی، اور اس نے اسرائیل کے ساتھ مسلح تصادم کی حکمت عملی اختیار کی۔ حماس کی قیادت نے کبھی کسی بادشاہت کے طرز پر حکمرانی نہیں کی، لیکن غزہ میں اس کی حکومت کو ایک مضبوط فوجی اور سیاسی قوت کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔[22]

3. اسرائیل کا قیام اور فلسطینی عرب ریاست کا خاتمہ

14 مئی 1948 کو اسرائیل کے قیام کے ساتھ ہی فلسطین کی سرزمین پر موجود عرب ریاست کے قیام کا خواب ختم ہوگیا۔ اسرائیل کے قیام کے بعد فلسطینی علاقے میں ایک مکمل فلسطینی ریاست کا قیام نہیں ہو سکا۔ لیکن فلسطینیوں کے کئی علاقے اسرائیل کے زیر تسلط آگئے اور فلسطینیوں کی بڑی تعداد پناہ گزین بن گئی۔ 1948 کی عرب اسرائیل جنگ کے نتیجے میں فلسطینیوں کے لیے ایک خود مختار ریاست کا خواب دھندلا گیا۔[23]

اسرائیل کا قیام 1948

دوسری جنگ عظیم کے بعد، 1947 میں اقوام متحدہ نے فلسطین کی تقسیم کی تجویز دی، جس کے مطابق فلسطین کو ایک یہودی اور عرب ریاست میں تقسیم کیا جانا تھا۔ 14 مئی 1948 کو اسرائیل نے اپنا قیام عمل میں لایا، جس کے نتیجے میں عرب اسرائیل جنگ شروع ہوئی۔ فلسطینیوں کی سرزمین میں تقسیم اور فلسطینی پناہ گزینوں کا مسئلہ جنم لیا، جو آج تک حل نہیں ہو سکا۔ 1948 کے بعد فلسطین کا قیام ایک پیچیدہ اور متنازعہ عمل رہا، جس میں عالمی سطح پر سیاسی اور فوجی عوامل نے اہم کردار ادا کیا۔ اس دوران فلسطین میں کسی بھی "بادشاہ" کا اقتدار نہیں تھا کیونکہ فلسطین کے زیادہ تر علاقے اسرائیل کے قیام کے بعد مختلف قسم کی فلسطینی تنظیموں اور اسرائیلی ریاست کے زیرِ اثر آگئے۔ تاہم فلسطینی قیادت میں مختلف

---

[19] Ibn al-Athīr, ʿIzz al-Dīn, *Al-Kāmil fī al-Tārīkh*, ed. ʿUmar ʿAbd al-Salām Tadmurī (Beirut: Dār al-Kitāb al-ʿArabī, 1417 AH), 10: 118–125.

[20] Bint al-Aqṣā, *Mas'ala Filasṭīn Kiyā Hay? Kiyā Karayn?* (n.p.: n.p., n.d.), 43.

[21] Bint al-Aqṣā, *Mas'ala Filasṭīn Kiyā Hay? Kiyā Karayn?*, 47.

[22] Nāṣir, Quṭb, *Filasṭīn par Yahūdī Daʿwā Dawr-e Istʿimār say Pehlay aur Dawr-e Istʿimār kay Baʿd*, *Al-Miṣbāḥ Research Journal* (n.p.: n.p., 2023), 3: 8.

[23] Nāṣir, Quṭb. *Palestine par Yahūdī Daʿwā Daur-i Istimār se Pahlē aur Daur-i Istimār ke Baʿd. al-Miṣbāḥ Research Journal* 3, no. 4 (2023): 8.

شخصیات اور سیاسی جماعتوں نے اہم کردار ادا کیا جو ایک حد تک "بادشاہوں" کی طرح قیادت فراہم کرتے رہے، لیکن یہ قیادت کسی بادشاہی نظام کے تحت نہیں تھی۔[24]

مبحث چہارم: عالم اسلام کو فلسطین کے حوالے درپیش سیاسی چیلنجز اور ان کی وجوہات

عالم اسلام اس وقت سیاسی، اقتصادی، عسکری، سماجی اور تہذیبی سطح پر متنوع چیلنجز کا سامنا کر رہا ہے۔ ایک طرف عالمی طاقتوں کا دباؤ تو دوسری جانب مسلم دنیا میں قیادت کا بحران، باہمی انتشار، نظریاتی بے سمتی اور قومی مفادات کی جنگیں ہیں۔ ان چیلنجز نے امتِ مسلمہ کی وحدت کو مجروح کیا ہے اور عالمی سطح پر مسلمانوں کو ایک مضبوط سیاسی قوت بننے سے روکا ہے۔

موجودہ سیاسی چیلنجز

ظلم و استبداد انسانی تاریخ کا ایک تاریک باب ہے، جس کا سامنا ہر دور میں حق پرستوں کو رہا ہے۔ انبیائے کرام بالخصوص خاتم النبیین سیدنا محمد ﷺ کی زندگی ہمیں بتاتی ہے کہ ظلم کے خلاف مزاحمت جیسے تلوار کی جاسکتی ہے اس طرح حکمت، صبر، تدبر، اور اعلیٰ اخلاق سے بھی کی جاتی ہے۔ سیدنا رسول اللہ ﷺ نہ صرف ایمان و توحید کی دعوت ہے، بلکہ ایک سیاسی و سماجی انقلابی تحریک کی رہنمائی بھی فراہم کرتا ہے، جس نے ظلم و جہالت کے اندھیروں کو علم، عدل اور اخوت سے بدل دیا۔ جن میں کچھ سیاسی چیلنجز درجہ ذیل ہیں:

1. عالم اسلام میں قیادت کا بحران

بیشتر مسلم ممالک میں غیر نمائندہ، آمرانہ یا کمزور جمہوری حکومتیں قائم ہیں۔ مسلمان عوام کی اکثریت سیاسی فیصلوں سے کٹی ہوئی ہے۔ اسلام کا آغاز ایک ایسی قیادت سے ہوا جو دین، دنیا، اخلاق اور حکمت کا کامل نمونہ تھی۔ سیدنا رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں ایک مثالی معاشرہ قائم ہوا جس کی بنیاد عدل، مساوات، مشاورت، تقویٰ اور علم پر تھی۔ خلفائے راشدینؓ نے اس قیادت کو کامیابی سے آگے بڑھایا اور ایک عالمی اسلامی سلطنت قائم ہوئی۔ لیکن وقت کے ساتھ مشاورت کی جگہ شخصی آمریت نے لے لی اور امت کے مسائل پر ذاتی و خاندانی مفادات غالب آ گئے۔ ان تاریخی انحرافات نے اسلامی قیادت کے تصور کو کمزور کر دیا اور وقت کے ساتھ قیادت کا بحران گہرا ہوتا چلا گیا۔

2. عالم اسلام کی باہمی تقسیم وانتشار

عالمِ اسلام کی باہمی تقسیم و انتشار ایک ایسا المیہ ہے جس نے امتِ مسلمہ کو نہ صرف عالمی سطح پر کمزور کر دیا ہے بلکہ اس کے سیاسی، سماجی، مذہبی، تعلیمی اور معاشی ڈھانچے کو بھی بُری طرح متاثر کیا ہے۔ یہ انتشار اسلام کے بنیادی پیغامِ وحدت کے بالکل برعکس ہے، جو قرآن و سنت کی تعلیمات میں بار بار اُجاگر کیا گیا ہے۔ اسلام بنیادی طور پر اتحاد، بھائی چارے اور امتِ واحدہ کا مذہب ہے۔ جس طرح قرآن کریم میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا**[25] اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ مت ڈالو۔ دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: **إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً**[26] یقیناً یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے۔

لیکن افسوس کی بات ہے کہ آج بھی امتِ مسلمہ فرقہ واریت، قومی و نسلی تعصبات، جغرافیائی سرحدیں اور قوم پرستی، سیاسی مفادات اور حکمرانوں کا کردار مغربی طاقتوں کی سازشیں، سیاسی تقسیم، مسلکی و دینی اختلافات، لسانی و ثقافتی تقسیم جیسے **شدید** تفریق کا شکار ہیں۔

3. او آئی سی (OIC) کی ناکامی

او آئی سی (OIC) یعنی "Organization of Islamic Cooperation" اسلامی دنیا کا سب سے بڑا بین الحکومتی ادارہ ہے۔ جسے 1969ء میں بیت المقدس پر اسرائیلی حملے کے بعد اسلامی دنیا کے اجتماعی ردعمل کے طور پر قائم کیا گیا۔ اس کا مقصد امت مسلمہ کے مفادات کا

---

[24] Bint al-Aqṣā, *Mas'ala Filasṭīn Kiyā Hay? Kiyā Karayn?*, 17.

[25] Āl 'Imrān, 3:103.

[26] Al-Anbiyā', 21:92.

تحفظ، اتحاد کا فروغ اور فلسطین جیسے مرکزی مسائل پر مؤثر کردار ادا کرنا تھا۔ تاہم 50 سال سے زائد کا عرصہ گزر جانے کے باوجود او آئی سی اپنے اہداف جیسے سیاسی عدم اتفاق، مسلکی و نسلی تقسیم، غیر مؤثر ڈھانچہ، اقتصادی و عسکری کمزوری اور بیرونی دباؤ حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے۔[27]

4. معاشی و عسکری مسائل

اسلامی دنیا میں وسائل کی فراوانی، نوجوان آبادی اور اسٹریٹیجک اہمیت کے باوجود معاشی و عسکری میدان میں پسماندگی ایک سنگین حقیقت ہے۔ مسلمان ممالک یا تو آج عالمی اقتصادیات اور دفاعی طاقت کے میدان میں غیر مؤثر اور انحصار پذیر ہو چکے ہیں، جو امتِ مسلمہ کی کمزوری اور زوال کی بڑی وجوہات میں شامل ہے یا جن کے ممالک کے پاس عسکری و دفاعی وسائل دستیاب ہے وہ کم ہمتی اور لااُبالی کا مظاہرہ کر رہی ہے جس طرح وسائل کے باوجود غربت، مغربی مالیاتی اداروں پر انحصار، صنعتی و تکنیکی پسماندگی، باہمی معاشی تعاون کا فقدان، بیروزگاری اور مہنگائی نے شدت اختیار کی ہے۔

5. میڈیا اور فکری یلغار

اسلامی دنیا آج صرف عسکری یا معاشی حملوں کا نشانہ نہیں، بلکہ ایک نہایت خاموش، مہلک اور دیرپا حملے کا سامنا کر رہی ہے جسے "میڈیا اور فکری یلغار " کہا جاتا ہے۔ یہ حملہ مسلمانوں کی سوچ، ثقافت، عقائد اور طرزِ زندگی کو نشانہ بنا کر ان کی شناخت اور اتحاد کو کمزور کر رہا ہے۔ یہ یلغار بظاہر تفریح، تعلیم، فیشن، فلم، ڈرامے، سوشل میڈیا اور تعلیمی نظام کے ذریعے کی جا رہی ہے۔ مگر اس کا اصل ہدف امتِ مسلمہ کا فکری و تہذیبی انہدام ہے۔ مغربی تہذیب کی ترویج، اسلاموفوبیا کی پرچار، ہیروز کی جگہ ولن اور ولن کی جگہ ہیرو، سوشل میڈیا پر فکری حملہ، ٹک ٹاک، انسٹاگرام جیسے پلیٹ فارمز پر بے حیائی، فحاشی اور دین بیزاری کا فروغ، اسلامی شناخت کا بحران عالمی میڈیا اسلام اور مسلمانوں کو دہشتگردی سے جوڑتا ہے۔ مسلم ممالک اپنے میڈیا، تعلیم، اور فکری اداروں میں مؤثر بیانیہ قائم نہیں کر سکے۔

سیاسی چیلنجز کی بنیادی وجوہات

i. خلافت کے خاتمے کے بعد خلا کا پیدا ہونا

1924ء میں خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے نے مسلم دنیا میں مرکزی قیادت کے تصور کو توڑ دیا۔ اس کے بعد اسلامی دنیا میں ایک ایسا سیاسی و فکری خلا پیدا ہوا جس کا اثر آج تک محسوس کیا جا رہا ہے۔ خلافت کا نظام امت مسلمہ کی سیاسی، دینی اور معاشی رہنمائی کا مرکز ہوتا ہے۔ اس کے خاتمے سے مسلمانوں کو نہ صرف سیاسی عدم استحکام کا سامنا کرنا پڑا، بلکہ ان کی نظریاتی اور ثقافتی بنیادوں کو بھی شدید دھچکا لگا۔ خلافت کے خاتمے کے ساتھ ہی مسلمانوں میں سیاسی، دینی، معاشی اور ثقافتی خلا پیدا ہوئے۔

ii. مغربی سیاسی ماڈلز کا اندھا تقلید

مغربی سیاسی ماڈلز خاص طور پر جمہوری نظام اور لبرل ازم نے دنیا بھر میں بہت سے ممالک میں اپنی جڑیں مضبوط کی ہیں۔ اور ان کے اثرات اسلامی دنیا تک بھی پہنچ چکے ہیں۔ تاہم مغربی سیاسی ماڈلز کی اندھی تقلید مسلمانوں کے لیے کئی مسائل اور چیلنجز کا باعث بنی ہے۔ مغربی سیاست اور نظامِ حکومت میں جو خیالات اور اصول ہیں، وہ مسلمانوں کی تہذیبی، مذہبی اور ثقافتی روایات سے ہم آہنگ نہیں ہوتے۔ اور ان کا اندھا تقلید اسلام کے اصولوں اور تاریخ سے مطابقت نہیں رکھتا۔

مبحث پنجم: سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں ظلم و استبداد کے خلاف حکمتِ عملی

ظلم و استبداد انسانی تاریخ کا ایک تاریک باب ہے، جس کا سامنا ہر دور میں حق پرستوں کو رہا ہے۔ انبیائے کرام بالخصوص خاتم النبیین سیدنا رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہمیں بتاتی ہے کہ ظلم کے خلاف مزاحمت تلوار کے ساتھ ساتھ حکمت، صبر، تدبر، اور اعلیٰ اخلاق سے بھی کی جاتی ہے۔ سیرتِ نبوی ﷺ نہ صرف ایمان و توحید کی دعوت دیتا ہے، بلکہ ایک سیاسی و سماجی انقلابی تحریک کی رہنمائی بھی فراہم کرتی ہے۔ جس نے ظلم و جہالت کے اندھیروں کو علم و عدل اور اخوت سے بدل دیا۔ سیرت النبی ﷺ صرف ایک تاریخی حوالہ نہیں بلکہ ایک زندہ، جامع، اور ہمہ

---

[27] Bint al-Aqṣā, *Mas'ala Filasṭīn Kiyā Hay? Kiyā Karayn?*, 59.

جہت نظام حیات ہے۔ آج کا مسلمان مختلف بحرانوں کا شکار ہے جیسے: قیادت کا فقدان، سیاسی انتشار، اخلاقی انحطاط، علمی پسماندگی، اور دین سے دوری۔ ان تمام مسائل کا حل سیرتِ نبوی ﷺ کی تعلیمات کی عملی تطبیق میں ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[28]

کہ رسول اکرم ﷺ کہ زندگی تمہارے لیے نمونہ ہے۔

تو ان حالات میں ہم رسول اکرم ﷺ کی سیرت کی طرف رجوع کرکے ان مسائل کا حل سیرت نبی کی روشنی میں حل کرتے ہیں:

1. رجوع الی الاسلام

رجوع الی اسلام کا مفہوم صرف دینی عمل تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ مسلمانوں کے لیے ایک مکمل فکری، سیاسی اور سماجی تجدید کا عمل ہے جس کا مقصد اسلام کے بنیادی اصولوں کو زندگی کے ہر پہلو میں نافذ کرنا ہے۔ یہ عمل قرآن وسنت کی روشنی میں مسلمانوں کو اپنی دینی شناخت کی طرف واپس لانے کی ایک کوشش ہے۔ قرآن اور سنت میں ہمیں مختلف مقامات پر ایسے ہدایات ملتی ہیں جو انسانیت کی فلاح اور کامیابی کے لیے اسلامی اصولوں کی پیروی کی اہمیت پر زور دیتی ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہمیں بار بار اسلام کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ مسلمان اپنے دین کی اصل روح کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ إِنِّي لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ[29]

پس تم اللہ کی طرف دوڑو، میں تمہارے لیے اُس کی طرف سے واضح خبردار کرنے والا ہوں۔

یہ آیت مسلمانوں کو اللہ کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ رجوع الی الاسلام کا اصل مقصد اللہ کی رضا اور اس کی ہدایات کو اپنی زندگی کا حصہ بنانا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ[30] اور ان کے درمیان اللہ کی جو کتاب نازل کی گئی ہے، اس کے مطابق فیصلہ کرو اور خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

2. صبر وتوکل

صبر اور توکل دین اسلام میں دو اہم اور بنیادی مفہوم ہیں جو مکی دور میں مسلمانوں کی زندگی کے لازمی حصے بن گئے تھے۔ یہ دونوں صفات نہ صرف انفرادی طور پر ایک مسلمان کی روحانیت کی نشاندہی کرتی ہیں، بلکہ یہ مسلمانوں کے اجتماعی اتحاد، جدوجہد اور اللہ کی رضا کے لیے پختہ عزم کی علامت بھی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو مکہ میں ظلم، بائیکاٹ، تشدد، قتل وغارت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے باوجود سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے صبر اور حکمت کا دامن نہ چھوڑا۔ جس قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا[31]

ظلم سے بچنے کے لیے آپ ﷺ نے صحابہ کو حبشہ ہجرت کی اجازت دی، جہاں عادل بادشاہ نجاشی کے زیر سایہ انہیں پناہ ملی۔[32]

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ[33] اور صبر کرو، اور تمہارا صبر اللہ کے سہارے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

یہ آیت مسلمانوں کو بتاتی ہے کہ انسان کو اپنی آزمائشوں کا مقابلہ صبر کے ساتھ کرنا چاہیے اور اللہ کی مدد سے ہی صبر ممکن ہے۔

---

[28] Al-Aḥzāb, 33:21.

[29] Adh-Dhāriyāt, 51:50.

[30] Al-Mā’ida, 5:48.

[31] Al-Muzzammil, 73:10.

[32] Ibn Sa‘d, Abū ‘Abd Allāh, *Al-Ṭabaqāt al-Kubrā*, ed. Muḥammad ‘Abd al-Qādir ‘Aṭā (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, 1410 AH), 1: 73–75.

[33] An-Naḥl, 16:127.

تیسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ[34]

اے ایمان والو، صبر اور نماز کے ذریعے اللہ سے مدد مانگو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اسی طرح انسان اپنے تمام معاملات میں اللہ پر توکل اور اپنی کوششوں کے بعد اس کے نتائج اللہ کے حوالے کردے۔ توکل کا مطلب یہ نہیں کہ انسان اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہو جائے، بلکہ یہ ہے کہ وہ اللہ پر مکمل بھروسہ کرتے ہوئے اپنی بہترین کوشش کرے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَعَلَى اللهِ فَتَوَكَّلْتُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ[35]

اور میں نے اللہ پر توکل کیا، بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

جس طرح سورۃ الطلاق میں ارشادِ ربانی ہے: **وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ**[36] اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا، اللہ اسے کافی ہے۔

3. اخوت و اتحاد

اخوت و اتحاد اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہیں، جن کی جڑیں قرآن و سنت اور سیرتِ نبوی ﷺ میں مضبوطی سے پیوست ہیں۔ ان اصولوں نے اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی اور انسانیت کو ایک رشتے میں جوڑا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ[37]

مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ہجرت کے بعد **"مؤاخات مدینہ "** کا عظیم نظام قائم کیا، جس کے تحت مہاجرین اور انصار کو بھائی بھائی بنایا گیا۔ اور قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا**[38] اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔

4. اسلامک بلاک کا قیام

اسلامی بلاک (Islamic Bloc) کا تعلق امت مسلمہ کے اتحاد، دفاع، اقتصادی خود مختاری اور عالمی نظام میں مؤثر کردار سے ہے۔ اس کے قیام کی شرعی بنیادیں بھی موجود ہیں اور جدید دور میں اس کی ضرورت بھی واضح طور پر محسوس کی جا رہی ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کو ایک وحدت، ایک قوم اور ایک جسم قرار دیا ہے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ[39]

بے شک تمہاری یہ امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں، پس میری عبادت کرو۔

دوسری جگہ ارشادِ ربانی ہے: **وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى**[40] نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ اسلامی ممالک کا باہمی اتحاد اور مشترکہ مفادات میں تعاون اسی حکم کا تقاضا ہے۔ اور اسی طرح دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں اتحاد کرنے کا حکم ہے: **وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ**[41] ان کے مقابلے کے لیے جو کچھ تم سے ہو سکے قوت تیار رکھو۔

---

[34] Al-Baqara, 2:153.

[35] Āl ʻImrān, 3:159.

[36] Aṭ-Ṭalāq, 65:3.

[37] Al-Ḥujurāt, 49:10.

[38] Āl ʻImrān, 3:103.

[39] Al-Anbiyā’, 21:92.

5. قیادت کا بحران

قیادت کا بحران **آج مسلم** دنیا سمیت عالمی سطح پر ایک سنجیدہ مسئلہ ہے۔ جب قیادت نااہل، بدعنوان، خود غرض یا غیر شرعی اصولوں پر قائم ہو، تو نہ صرف قومیں زوال پذیر ہوتی ہیں بلکہ ظلم، تفرقہ اور انتشار عام ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیادت ایک امانت ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا[42]

بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کرو۔

قیادت کو امانت کہہ کر یہ واضح کر دیا گیا کہ یہ ذاتی مفاد یا طاقت کا ذریعہ نہیں، بلکہ ایک بڑی ذمے داری ہے۔ جس طرح سیدنا یوسف علیہ السلام نے قیادت کی ذمہ داری لیتے وقت اپنی دو خصوصیات بیان کیں: **قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ**[43] میں حفاظت کرنے والا ہوں، علم رکھنے والا ہوں۔ اور اسی طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **إِذَا وُسِّدَ الأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ**[44] جب قیادت نااہل لوگوں کو دی جائے، تو قیامت کا انتظار کرو۔

6. اپنے وسائل کا بطورِ اسلحہ استعمال

دنیا میں طاقت کا تصور صرف فوجی قوت تک محدود نہیں رہا بلکہ آج معاشی، سائنسی، تجارتی اور ابلاغی وسائل بھی اہم اسلحہ بن چکے ہیں۔ مسلم دنیا اگر اپنے وسائل کو صرف استعمال کی بجائے اسٹریٹیجک ہتھیار کے طور پر بروئے کار لائے تو عالمی منظر نامہ بدل سکتا ہے۔ کہ جن وسائل کو ہم صرف روزمرہ کی ضروریات کے لیے استعمال کرتے ہیں، ان کو حکمت، نظم اور مقصد کے ساتھ دفاع، سفارت، اثر و رسوخ، اور عالمی توازن کے لیے استعمال کیا جائے، جیسے: تیل و گیس، افرادی قوت، مالی ذخائر مثلاً تعلیم و ٹیکنالوجی، خوراک و اجناس، میڈیا و ابلاغ کو اگر بطور اسلحہ کیا جاتا ہے۔ جس طرح سیدنا یوسف علیہ السلام نے قحط کے زمانے میں خوراک کو بطور حکمتِ عملی استعمال کیا۔ اور خوراک و ذخیرہ اندوزی کے ذریعے مصر کی قیادت کو متاثر کیا۔

اجعلني على خزائن الأرض إني حفيظ عليم[45]

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ میں تجارت، امن اور سفارتی فہم کو اسلحہ کے برابر استعمال کیا۔ جیسے غزوات میں نظام رسد، جاسوسی اور اطلاعات کو ہتھیار کے طور پر بروئے کار لایا۔

7. اہل اصحابِ سیادت کی حفاظت اور اطاعت

اسلام میں اہلِ سیادت افراد کی حفاظت، عزت و حرمت اور معاونت کا تصور واضح طور پر **قرآن و سنت** میں موجود ہے۔ کیونکہ ان کی موجودگی، معاشرے کی بقاء، عدل کے قیام اور فتنوں کے خاتمے کے لیے ضروری ہے۔ جو دینی یا دنیاوی قیادت کے اہل ہوں، جنہیں امت کی رہنمائی، فیصلے، حفاظت، اور اصلاح کی ذمہ داریاں دی گئی ہوں۔ جیسے: علماء حق، عادل حکمران، منصف قاضی، ایماندار مشیر اور صالح منتظمین وغیرہ۔ اہل سیادت کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ[46]

---

[40] Al-Mā'ida, 5:2.

[41] Al-Anfāl, 8:60.

[42] An-Nisā', 4:58.

[43] Yūsuf, 12:55.

[44] Al-Bukhārī, Abū 'Abd Allāh Muḥammad ibn Ismā'īl, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Bāb Man Su'ila 'Ilman wa Huwa Mushtaghilun fī Ḥadīthihi fa-Atamma al-Ḥadīth thumma Ajāba as-Sā'il (n.p.: n.p., n.d.), 1: 21, ḥadīth 59.

[45] Yūsuf, 12:55.

[46] An-Nisā', 4:59.

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحب امر ہوں ان کی بھی۔

یہاں اولی الامر سے مراد عموماً عادل حکام، دینی رہنما اور نظامِ عدل و مشورہ کے ذمہ دار لوگ ہوتے ہیں۔ اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حقدار کو ان کا حق دیں: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا[47] اسی طرح قیادت، فیصلے اور سیادت کی امانت صرف اہل لوگوں کو دی جائے۔

اور اسی کی ذیل میں اہلِ سیادت لوگوں کی عزت و حفاظت بھی ضروری ہے۔ اور ان کے خلاف خروج و بغاوت منع ہے، جب تک انہوں نے کفر بواح نہ کریں: إلا أن تروا كفرًا بواحًا عندكم من الله فيه برهان[48] جب تک تم ان میں کھلا کفر نہ دیکھو، جس پر تمہارے پاس اللہ کی دلیل ہو۔ اگر اہل لوگ خوف، تحقیر یا حملے کا شکار ہوں تو قومیں بد عنوان اور نااہل قیادت کے سپرد ہو جاتی ہیں۔ علماء اور منصف اگر محفوظ نہ ہوں تو عدل ختم اور جہالت عام ہو جائے گی۔ اور اہل قیادت محفوظ ہوں تو فتنہ انگیز، گمراہ کن، اور خارجی عناصر قابو میں رہتے ہیں۔

8. مسلم رہنماؤں کا مضبوط قوتِ فیصلہ

اسلام میں قیادت صرف نمائندگی یا طاقت کا نام نہیں بلکہ علم، بصیرت، حکمت اور بروقت فیصلہ کرنے کی صلاحیت پر مبنی نظام ہے۔ جس طرح انبیاء علیہم السلام، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور اسلامی قائدین نے اپنے فیصلوں کے ذریعے تاریخ کا رخ موڑا۔ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے کی **بصیرت**، حالات کا درست تجزیہ کر کے بروقت فیصلہ لینا، دباؤ یا لالچ میں آئے بغیر اصولی مؤقف اپنانا اور مشورے کے بعد عمل کی جراءت دکھانا ہے۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ[49]

اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو حکم دیا کہ بچے کو دریا میں ڈال دو۔

یہ ایک غیر معمولی فیصلہ تھا، مگر اللہ کی رضا پر مبنی تھا۔ اور اسی طرح یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اجعلني على خزائن الأرض إني حفيظٌ عليمٌ[50] انہوں نے خود آگے بڑھ کر قیادت مانگی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ اس کے اہل ہیں، یہ قوتِ فیصلہ کی علامت ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ ارشاد کو حکم ہوا ہے کہ: فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ[51] "مشورہ ضرور کرو، مگر جب فیصلہ کر لو تو اس پر توکل کے ساتھ ڈٹ جاؤ۔

9. ترغیب الی الجہاد

جس معنی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کافروں کے خلاف جہاد فرض قرار دیا ہے اور جن حالات میں اُس کی جو صورتیں نفاذ کا تقاضا کرتی ہو اُن صورتوں میں اہل زیغ کے خلاف جہاد کرنا لازم ہے جس میں نفس، قلم، زبان اور ہتھیار سے حق کے لیے کوشش کرنا شامل ہے۔ اسلام نے اس کی ترغیب، فضیلت اور اہمیت کو بارہا واضح کیا ہے۔ قرآن مجید میں جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ[52]. تم پر قتال فرض کیا گیا ہے، حالانکہ وہ تمہیں ناپسند ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے جہاد کو ایمان کے بعد افضل ترین عمل قرار دیا ہے:

سئل النبي ﷺ: أي الأعمال أفضل؟ قال: الإيمان بالله، ثم الجهاد في سبيل الله[53].

---

[47] An-Nisāʼ, 4:58.

[48] Muslim ibn al-Ḥajjāj, Abū al-Ḥusayn, *Ṣaḥīḥ Muslim*, ed. Muḥammad Fu'ād 'Abd al-Bāqī (Cairo: Maṭba'at 'Īsā al-Bābī al-Ḥalabī, 1374 AH), 3: 1470, ḥadīth 42.

[49] Al-Qaṣaṣ, 28:7.

[50] Yūsuf, 12:55.

[51] Āl 'Imrān, 3:159.

[52] Al-Baqara, 2:216.

[53] Al-Bukhārī, Abū 'Abd Allāh Muḥammad ibn Ismā'īl, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Bāb Faḍl al-Ḥajj al-Mabrūr (n.p.: n.p., n.d.), 2: 133, ḥadīth 1519.

ایمان کے بعد جہاد کو سب سے افضل عمل قرار دیا۔ اور جہاد کی نیکی کے برابر کوئی عمل نہیں۔ اور خصوصی طور پر کافروں کے خلاف مسلح جہاد کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیے۔

جیسا کہ ۱۰ مئی 2025 کے پاکستان بھارت کشیدگی میں پاک فوج اور پاک فضائیہ کی کارکردگی نے واضح کر دیا ہے صرف ایک دن کی جنگ کے بعد، بھارت جنگ بندی کے لیے منتیں کرنے لگا ہے اور یہی مسئلہ فلسطین کا حل ہے۔

خلاصہ بحث

اس تحقیقی مطالعے کا خلاصہ یہ ہے کہ فلسطین کا مسئلہ نہ صرف امتِ مسلمہ کا اجتماعی المیہ ہے بلکہ ایک عظیم دینی اور اخلاقی آزمائش بھی ہے۔ سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ظلم کے مقابلے میں صبر، استقامت، دانشمندی، اور اجتماعی وحدت کے ذریعے ہی کامیابی ممکن ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ امت کو اگر واقعی فلسطینی عوام کی مدد کرنی ہے تو اسے پہلے باہمی اختلافات کو ترک کر کے ایک متحد قیادت کے تحت اصولی موقف اختیار کرنا ہوگا۔ اسی طرح بین الاقوامی سطح پر مظلوموں کی آواز بلند کرنے، میڈیا محاذ پر جدوجہد، اور سیاسی و معاشی وسائل کو حکمت سے استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ سیرتِ طیبہ ﷺ ہمیں ظلم کے خلاف نہ صرف کھڑے ہونے کا سبق دیتی ہے بلکہ ایک صالح، فعال، اور مؤثر امت کے طور پر کردار ادا کرنے کی عملی رہنمائی بھی فراہم کرتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Bibliography / کتابیات

* Al-Bukhārī, Abū ʻAbd Allāh Muḥammad ibn Ismāʻīl. *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*. Egypt: Al-Sulṭāniyya, Maṭbaʻa al-Kubrā al-Amīriyya, 1311 AH.
* Al-Bukhārī, Abū ʻAbd Allāh Muḥammad ibn Ismāʻīl. *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*. [n.p.: n.p., 2000 CE].
* Al-Ḥalbī, ʻAlī ibn Burhān al-Dīn. *As-Sīra al-Ḥalabiyya*. Cairo: Maṭbaʻa Muṣṭafā al-Bābī, 1932.
* Al-Shawkānī, Muḥammad ibn ʻAlī ibn Muḥammad ibn ʻAbd Allāh. *Fatḥ al-Qadīr*. Damascus, Beirut: Dār Ibn Kathīr, Dār al-Kalim al-Ṭayyib, 1414 AH.
* Al-Ṭabarī, Abū Jaʻfar Muḥammad ibn Jarīr. *Tārīkh al-Ṭabarī*. Edited by Muḥammad Abū al-Faḍl Ibrāhīm. Egypt: Dār al-Maʻārif, 1387 AH.
* Bint al-Aqṣā. *Mas'ala Filasṭīn Kiyā Hay? Kiyā Karayn?*. [n.p.: n.p., 2000 CE].
* Ibn al-Athīr, ʻIzz al-Dīn. *Al-Kāmil fī al-Tārīkh*. Edited by ʻUmar ʻAbd al-Salām Tadmurī. Beirut: Dār al-Kitāb al-ʻArabī, 1417 AH.
* Ibn Kathīr, Abū al-Fidā' Ismāʻīl ibn ʻUmar. *Tafsīr Ibn Kathīr*. Edited by Sāmī ibn Muḥammad al-Salāma. Riyadh: Dār Ṭayba lil-Nashr wa al-Tawzīʻ, 1420 AH.
* Ibn Saʻd, Abū ʻAbd Allāh. *Al-Ṭabaqāt al-Kubrā*. Edited by Muḥammad ʻAbd al-Qādir ʻAṭā. Beirut: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyya, 1410 AH.
* Ibn Saʻd, Muḥammad ibn Manīʻ. *Al-Ṭabaqāt al-Kubrā*. Beirut: Dār Ṣādir, 2005.
* Kitāb-e Muqaddas (Purānā aur Nayā ʻAhd Nāma). Lahore: Pakistan Bible Society, Anarkali, 2008.
* Layāqat, Mumtāz. *Tārīkh Bayt al-Maqdis*. Lahore: Sang-e-Meel Publications, Urdu Bazaar, 2000 CE.
* Muḥsin, Muḥammad Ṣāliḥ. *Filasṭīn kī Bābat Chālīs Ahm Tārīkhī Ḥaqā'iq*. Translated by Muḥammad Zakariyā Khān. [n.p.: n.p., 2000 CE].
* Muslim ibn al-Ḥajjāj, Abū al-Ḥusayn. *Ṣaḥīḥ Muslim*. Edited by Muḥammad Fu'ād ʻAbd al-Bāqī. Cairo: Maṭbaʻat ʻĪsā al-Bābī al-Ḥalabī, 1374 AH.
* Nāṣir, Quṭb. "Palestine par Yahūdī Daʿwā Daur-i Istimār se Pahlē aur Daur-i Istimār ke Baʿd." *Al-Miṣbāḥ Research Journal* 3, no. 4 (2023): 8.
* ʻUmar ibn Khaṭṭāb ibn Nufayl ibn ʻAbd al-ʻUzzā. *Maʻrifat al-Ṣaḥāba*. Edited by ʻĀdil ibn Yūsuf al-ʻAzāzī. Riyadh: Dār al-Waṭan lil-Nashr, 1419 AH.